© rasailojaraid.com

جذبۂ رقابت مترشح ہوتا ہوا ابن خلدون نے بھی اسی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیا ہے اپنی سوانح "التعریف" میں اپنی غرناطہ سے واپسی کے اسباب کے سلسلے میں، صرف چند سطریں لکھی ہیں جن سے کوئی نتیجہ نکالنا دشوار ہے اس تحریر کے علاوہ سوائے ابن خطیب کی تعریف و توصیف کے کوئی عبارت نہیں ملتی۔ علامہ المقری نے بہت تعجب سے لکھا ہے[۱]:

"ابن خلدون کو اگرچہ ماضی کی تلخیوں کی بنا پر ابن خطیب کا مدّاح نہ ہونا چاہیے لیکن ابن خلدون نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا یا لکھا اس سے بے حد خلوص ٹپکتا ہے"؟

ابن خلدون نے "کتاب العبر" میں ابن خطیب کی بے حد تعریف لکھی ہے اور اپنے "مقدمہ" میں اس کے موشحات بہاسا کہ الغیث الخ کو نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ ہمارے معاصر ابن خطیب امام نظم و نثر تھے، علوم ظاہری میں ان کا کوئی ہم پلّہ نہ تھا نیز اپنی سوانح "التعریف" کے صفحہ ۱۵۵ پر لکھا ہے:

"وکان الوزیر ابن الخطیب آیۃٌ من آیات اللّٰہ فی النظم والنثر والمعارف والآداب، لا یُساجل مداہ، ولا یہتدی فیہا بمثل ھُداہ"

ان شواہد سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر ابن خلدون کو ابن خطیب سے مخاصمت یا دشمنی ہوتی تو وہ غرناطہ چھوڑنے کے بعد اس کا اظہار کرتا اس کے برعکس وہ ابن خطیب کے مقام فاس میں محبوس کر لیے جانے پر محمد خامس کے پاس اس کی برأت و خلاصی کی سفارش کرنے گیا۔ اس سفارش کی ناکامی کا ذکر اس نے اپنی سوانح میں بھی کیا ہے۔ باہمی چشمک یا مناقشہ کی کوئی بھی تفصیل ابن خلدون، ابن خطیب اور ابن زمرک تینوں معاصرین کے درمیان ہونے والی خط و کتابت میں بھی نہیں ملتی[۲]۔ البتہ ابن خلدون نے اپنی سوانح "التعریف" میں یہ عذر کیا ہے کہ قیام غرناطہ کے زمانہ کی تمام خط و کتابت جو اس کے اور ابن خطیب کے

---

[۱] علامہ مقری: نفح الطیب ج ۴ ص ۱۹۵ - ۲۰۱

[۲] دائرۃ المعارف: جلد ۳ ص ۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درمیان ہوئی وہ قطعی مشغول گیا ہے مزید یہ کہ اُس نے اپنی سوانح کے صفحہ ۴۷ سے ابن زمرک کے مندرجہ خطوط سے وہ عبارت حذف کردی ہے جس سے گذشتہ حالات پر روشنی پڑتی تھی اور وضاحتاً لکھا ہے کہ اس کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں۔

ابن خطیب نے اپنی کتاب "الاحاطۃ فی اخبار غرناطۃ" میں ابن خلدون کی سوانح حیات لکھتے ہوئے اندلس میں اسکی اہمیت اور بلند مقامی کا ذکر کیا ہے اور اسکی بے حد تعریف و توصیف کی ہے[1]۔ تقریباً تین سال کے قیام کے بعد جب ابن خلدون غرناطہ سے رخصت ہونے لگے تو سلطان محمد خامس کی جانب سے ان کو ایک سرکاری مرقوم (Official Proclamation) پیش کیا گیا جس میں اُن کی مخلصانہ خدمات کا اعتراف کیا گیا تھا اور اُن کے رخصت ہونے پر اظہار افسوس نیز ان کو یہ بھی پیش کش کی گئی تھی کہ جب بھی وہ غرناطہ آنا چاہیں اُن کو ہمیشہ خوش آمدید کہا جائے گا۔ یہ مرقومہ ابن خطیب نے لکھا تھا اس کے الفاظ یہ ہیں[2]:

هٰذا ظهير كريم تضمن تشييعاً وترفيعاً، وإكراماً وإعظاماً، و ... لعمل الصنيعة ختاماً، وملى الذى احسن تماماً، واشاد للمعتمد به بالاغتباط الذى راق قساماً، وتوفر اقساماً وأعلن له بالقبول إن نوى بعد النوى رجوعاً او آثر على الظعن المزمع مقاماً......... وليؤدى من امتثال هٰذا الأمر الواجب المحترض بحول الله وقوته۔

بالآخر اسلامی دُنیا کا یہ عظیم مؤرخ بادلِ ناخواستہ سرزمینِ غرناطہ کو خیر باد کہہ کر بجایہ افریقیہ میں جا بسا وہاں اس کی بےحد پذیرائی ہوئی۔ اس طرح اندلس کی تاریخ دو عظیم مؤرخوں کی باہمی آویزش و کشمکش کی روح فرسا داستان سے محفوظ رہ گئی۔

---

[1] ابن خلدون: التعریف ص ۹۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چوتھی قسط

ہندو تہذیب اور مسلمان

از ڈاکٹر محمد عمر صاحب اُستاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

ہندو مذہب کے متعلق مسلمانوں کی رائے

عرصۂ دراز سے ساتھ ساتھ بود و باش کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے ہندو مذہب کے حسن و قبح کا گہرا مطالعہ کیا اور اس پر اپنی آرار کا بڑی وضاحت سے اظہار کیا۔ جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ داراشکوہ نے مجمع البحرین میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہندو مذہب اور اسلام دو متضاد مذاہب نہیں ہیں بلکہ اُن کا چشمہ ایک ہی ہے۔ دو مختلف دھارائیں الگ الگ بہتی نظر آتی ہیں لیکن بالآخر دونوں ایک ہی نقطے پر ایک ”سمے“ سے مدغم ہو جائیں گی۔ ملا شاہ اور دیگر مشائخ جن کا اندازِ فکر داراشکوہ نے اختیار کیا تھا، اُن کی وحدت الوجودی مشرب اور ہندو ویدانت کے فلسفے میں کوئی بنیادی فرق نہ تھا، اور فلسفۂ وحدت الوجود سے وحدتِ ادیان کے تصور تک پہنچنے میں کوئی ناقابلِ عبور دشواری نہ تھی۔ چناں چہ دارا نے دیگر مذاہب اور بالخصوص ہندو ویدانت میں چھان بین شروع کی اور اس تجسس اور تحقیق کا نتیجہ مجمع البحرین کی صورت میں ظاہر ہوا۔ دارا نے اس میں لکھا ہے:

”می گوید فقیر بے اندوہ محمد داراشکوہ کہ بعد از دریافت حقیقت الحقائق و تحقیقِ رموز و دقائقِ مذہب حق صوفیہ، و فائز گشتن بایں عطیۂ عظمیٰ دراں شد کہ درک کہنہ مشربِ موحدانِ ہند و محققان ایں قوم قدیم نماید۔ با بعضے از کاملانِ ایشاں کہ بہ نہایت ریاضت و ادراک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وفہمیدگی و نمایت تصوف وخدایابی وسنجیدگی رسیدہ بودند، مکرر صحبت ہا داشتہ وگفتگو نمودہ جز اختلافات لفظی دریافت وشناخت تفاوتے ندیدہ۔ ازیں جہت سخنان فریقین را بہم تطبیق دادہ و بعضے سخنان کہ طالبان حق را دانستن ناگزیر وسودمند است، فراہم آوردہ" [1]

"مجمع البحرین" میں دارا نے تصوف اور یوگ کے خیالات جمع کئے ہیں اور اُن دونوں میں مطابقت ثابت کی گئی ہے۔ بعد ازیں دارا نے ویدانتوں اور موحدین کے خیالات کو بڑی محنت اور تیزی سے فارسی زبان میں منتقل کرانے کا کام شروع کیا۔ اس سلسلے میں ایک مختصر رسالہ "مکالمۂ دارا شکوہ با بابا لال" مرتب ہوا اس کے بعد جوگ بسشٹ کا آسان فارسی میں ترجمہ ہوا ان دونوں کتابوں سے اہم ترسّرِ اکبر ہے [2]۔ اس کا مقدمہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ دارا شکوہ نے چاروں ویدوں کو الہامی کتابیں بتایا ہے [3]۔

مختصر یہ کہ فارسی میں مہابھارت [4]، بھگوت گیتا اور سنسکرت کی دوسری کتابوں کا ترجمہ ہونے اور مسلمانوں کو ہندو عالموں اور پنڈتوں اور اُن کے اہل فکر ونظر سے ربط وضبط کا موقع ملنے کا مجموعی نتیجہ بقول شیخ اکرام یہ ہوا کہ:

"ہندو ویدانتی یہ دیکھنے لگے کہ مثنوی مولانا روم [5] اور اسلامی تصوف کی کتابوں میں

---

[1] ماخوذ از مقدمہ اوپانیشاد (فارسی ترجمہ) ص ۲۱۷

[2] ۱۹۶۱ء میں یہ کتاب ایران میں چھپ گئی ہے۔ اور ڈاکٹر تارا چند اور ڈاکٹر امیر حسن عابدی نے ایڈٹ کیا ہے۔

[3] ملاحظہ ہو: اوپانیشاد (مقدمہ) ص سہ تا شش

[4] اکبر بادشاہ کے عہد میں مہابھارت، رامائن، اتھر بان، لیلاوتی، نازک، کلیلہ ودمنہ، نل دمن، سنگاسن بتیسی، بحر الاسمار وغیرہ کا فارسی میں ترجمہ ہوا تھا۔ ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ ہو۔ Studies in Medieval Indian History and Culture by K. A. Nizami, PP. 167–171 (باقی اگلا صفحہ ملاحظہ ہو)

© rasailojaraid.com

کی ایسی باتیں ہیں جنھیں وہ اپنا کہہ سکتے ہیں اور بعض مسلمان بھی سمجھنے لگے کہ ہندوؤں میں فقط بُت پرست اور دیوتاؤں سے انسانی اوصاف اور عام بشری خصائص منسوب کرنے والے لوگ نہیں بلکہ کئی پاکیزہ خیال، بے حرص اور بے ریا تارکانِ دُنیا بھی ہیں۔" [1]

جہانگیر[2] کی طرح شاہجہاں ہندو جوگیوں اور سنیاسیوں کا قائل نہ تھا لیکن اس کے دورِ حکومت میں یہ رجحانات ختم نہ ہوئے تھے۔ اور اُس کے آخری دنوں میں تو دارا شکوہ کی شرکت سے انہیں بڑی تقویت ملی تھی مسلمانوں میں دارا شکوہ، مُلا شاہ، سرمد شہید[3] اور محسن فانی[4] کے علاوہ دوسرے کئی آزاد خیال اس روحانی مفاہمت کے ترجمان تھے اور دارا شکوہ کے حاشیہ نشین تھے۔ اُن کے علاوہ دوسرے کئی ایسے مسلمان تھے جو ہندو سادھوؤں اور جوگیوں کی روحانیت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۵) بدایونی منتخب التواریخ (اردو ترجمہ پاکستان ۱۹۶۲ء) ص ۵۰۸، ۵۱۷ - آئین اکبری (انگریزی ترجمہ) جلد اوّل۔ ص ۱۱۰-۱۱۲، ۴۹۷-۴۹۸

[5] برائے حالات ملاحظہ ہو۔ خزینۃ الاصفیا جلد دوم۔ ص ۲۷۶-۲۷۸

[1] رودِ کوثر۔ ص ۴۰۲

[2] جہانگیر نے تزک جہانگیری میں گسائیں جدروپ سے اپنی ملاقاتوں کا حال کئی جگہ درج کیا ہے وہ اس کی ریاضت اور زہد سے بڑا متاثر ہوا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو دبستان مذاہب۔ محسن فانی نے جہانگیر اور اکم ناتھ جوگی کی گفتگو کا ذکر کیا ہے۔ ص ۱۴۶

[3] برائے حالات ملاحظہ ہو۔ دبستان مذاہب۔ ص ۲۴۲-۲۴۳، کلمات الشعراء ص ۵۰- ۵۱ - رودِ کوثر۔ ص ۳۸۶-۳۹۲-

[4] عام طور پر محسن فانی، دبستان مذاہب کا مصنف سمجھا جاتا ہے۔ یہ کتاب نول کشور پریس لکھنؤ سے ۱۹۰۴ء میں شائع ہو چکی ہے۔ اس میں ایشیا کے تمام مشہور مذہبوں کے خیالات و عقائد جمع کیے گئے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے قائل تھے اور اُن سے مل کر متاثر بھی ہوتے تھے۔ ملّا شیدا[۱] کی سادئے ایک گیانی جوگی سے متعلق محسن فانی نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

"ملّا شیدائے ہندی، کہ از شعرائے نامدار و فصحائے عصر بود، نوبتے با راقم بخانۂ گیانی زیغی، رفت و با ایشاں صحبت داشت۔ مریدان او را دیدۂ و وضع اہلِ خانہ را مشاہدہ نمودہ بشگفتگی فرو ماند و گفت۔ تمام عمرِ من در خدمت وارستگان گذشت، چشمِ من چنیں آزادے ندید، و گوشم چیزے از انسان وارستہ نشنودہ" [۲]

اس آزاد خیالی اور دارا شکوہ کے ساختہ ماحول کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں پر بیراگیوں اور جوگیوں کے عقائد کا بہت گہرا اثر پڑا اور بہتوں نے ان کی مصاحبت اختیار کر لی۔ دبستانِ مذاہب میں لکھا ہے:

"از ہندو و مسلم و غیرہم ہر کس خواہد، بکیشِ ایشاں در آید، مانع نشوند و در پذیرند و گویند مسلمانان نیز بشن را می پرستند۔ چہ بسم اللہ ایں معنی دارد یعنی بشن و بسم، بشن را گویند" [۳]

[ہندوؤں اور مسلمانوں میں سے جو کوئی بھی اُن کے مذہب میں آنا چاہتا ہے، وہ اُسے قبول کر لیتے ہیں اور مانع نہیں ہوتے۔ اُن کا کہنا ہے کہ مسلمان بھی بشن کی پرستش کرتے ہیں

---

[۱] جہانگیر کے عہد کے آخری زمانے اور شاہ جہاں کے ابتدائی دورِ حکومت میں ہندوستان آئے اور شعر و شاعری کا بازار گرم کیا۔ وہ بُرگو شاعر تھا اور اپنے زمانے میں عدیم المثال سمجھا جاتا تھا ملاحظہ ہو۔ سرخوش۔ کلمات الشعرا۔ ص ۵۶-۵۸

[۲] دبستانِ مذاہب۔ ص ۱۷۳

[۳] دبستانِ مذاہب۔ ص ۲۰۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیونکہ بسم اللہ کے یہی معنی ہیں، یعنی بشن کو بسم بھی کہا جاتا ہے]

جو مسلمان بیراگیوں میں شامل ہوتے تھے وہ جاہل اور عوام الناس نہ تھے بلکہ تعلیم یافتہ اور شریف زادے تھے۔ دبستان میں لکھا ہے۔

"جمعے کثیر از مسلمانان بکیش ایشان در رفتہ اند۔ مانند میرزا صالح و میرزا حیدر کہ از نجبای مسلمانان اند و بیراگی شدند" لے

[بہت سے مسلمان ان کے مذہب میں داخل ہو گئے ہیں، مثلاً میرزا صالح اور میرزا حیدر، جو مسلمان شریف زادے ہیں، بیراگی ہو گئے ہیں]

دبستان میں لکھا ہے کہ عارف سبحانی، درویش[۲]، مسجد اور مندر دونوں کی برابر تعظیم کرتے تھے اور مندر میں ہندوؤں کے آئین کے مطابق پوجا اور ڈنڈوت یعنی پرستش کے مراسم ادا کرتے تھے، اور ساتھ ساتھ مسجد میں مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتے تھے۔ آگے لکھا ہے:

لے ایضاً ص ۲۰۳ محسن فانی نے میاں لال نامی ایک اور مسلمان بیراگی کا ذکر کیا ہے۔ دبستان مذاہب۔ ص ۲۰۴

ملے آبائی وطن ہرات تھا لیکن وہ ہندوستان میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کو علوم نقلی و عقلی پر پوری دسترس حاصل تھی ترک و تجرید کی زندگی گزارتے تھے۔ سالہا کامل مرشد کی تلاش میں دربدر کی ٹھوکریں کھاتے پھرتے رہے، اور بالآخر شیخ مجد الدین محمد بلخی قادری کے ہاتھ پر بیعت کی، جو بڑے زاہد متقی اور پرہیزگار بزرگ تھے۔ انھوں نے محی الدین ابن عربی کی تمام تصانیف اپنے اُستاد سے پڑھی تھیں۔ ستر پوشی کے علاوہ وہ اپنے پاس کوئی دوسرا کپڑا نہ رکھتے تھے اور جانوروں کا گوشت بھی نہیں کھاتے تھے۔ کبھی کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کیا اور اگر کوئی کچھ دیدیتا تھا تو قبول کر لیتے تھے لوگوں کی حقارت اور اہانت سے رنجور نہیں ہوتے تھے۔ شب بیداری کرتے تھے۔ دبستان کے مصنف نے انھیں ۱۰۴۶ھ میں دیکھا تھا دبستان مذاہب ص ۳۹۱ - ۳۹۳

÷ ÷ ÷ ÷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"نکوہش ہیچ دین و آئین نمی کند و کیشی را بکیشی ترجیح نمی دہد و تعصب در سرشت او نیست" سلہ

[وہ کسی کے دین اور رسوم و رواج کی بُرائی نہیں کرتے اور نہ ایک مذہب کو دوسرے پر ترجیح دیتے ہیں۔ اُن کی طینت میں تعصب بھی نہیں ہے]

اُن کا مسلک وحدت الوجود تھا۔ "دہرچہ بنظر او در آید اورا وجود مطلق شمرد و گرامی می دارد" سلہ

آج بھی ہندوستان کے مسلمانوں میں مذاریہ، درعلیاں، لیہ وما لیسے فرقے پائے جاتے ہیں جن کے اعتقادات، عادات اور اطوار پر سنیاسیوں اور جوگیوں کے گہرے اثرات نظر آتے ہیں۔ ان دونوں فرقوں کا بعد میں تفصیلی ذکر کیا جائے گا۔

دوسری طرف ہندوؤں میں بھی اس روحانی اشتراک اور آمیزش کو فروغ دینے والے کئی صاحب فکر تھے۔ اُن میں سے چندربھان برہمن[سلہ] تھا جو دارا شکوہ کا منشی تھا اور فارسی میں پہلا صاحب دیوان شاعر تھا۔ سرخوش نے اس کے متعلق لکھا ہے:

"طبعی درست داشت۔ شعر بطور قدما شستہ و صاف می گفت و سلیقۂ انشا پردازی

سلہ دبستانِ مذاہب ص ۲۹۲

سلہ ایضاً ص ۲۹۲

سلہ برہمن کے والد کا نام دھرم داس تھا۔ برہمن لاہور میں پیدا ہوا تھا۔ عبدالحکیم سیالکوٹی کا شاگرد تھا۔ وہ پہلے افضل خاں مُلا شکر اللہ شیرازی جو شاہجہاں کے عہد میں میر ساماں اور دیوان کل تھا اور جس کا انتقال ۱۰۴۸ھ میں ہوا تھا۔ (مآثر الامرا جلد اول ۱۴۵۔ ۱۵۱) کا ملازم تھا۔ اس کے انتقال کے بعد شاہجہاں کا ملازم ہوا۔ بعد ازیں دارا شکوہ کے یہاں ملازم ہوا۔ اُسے رائے چندربھان کے لقب سے سرفراز کیا گیا۔ ۱۰۷۳ھ میں بنارس میں وفات پائی۔

© rasailojaraid.com

نیز داشت۔ در ہنداں غنیمت بود۔"[1]

ایک دن شاہجہاں نے اس سے شعر خوانی کی فرمائش کی۔ برہمن نے یہ شعر پڑھا:

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار
بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

یہ شعر سُن کر بادشاہ کو طیش آگیا اور اُس نے کہا "ایں بدبخت کافر مرتد است" اس کو قتل کر دینا چاہیے۔ افضل خاں نے عرض کیا کہ سعدی کا یہ شعر مندرجہ بالا شعر سے مطابقت رکھتا ہے۔

خر عیسیٰ اگر بمکہ رود چوں بیاید ہنوز خر باشد

یہ سُن کر بادشاہ ہنس پڑا۔ اور دوسرے کام میں مشغول ہوگیا۔ مگر اس کو دیوان خاص سے باہر نکال دیا گیا۔[2]

داراشکوہ کی وفات کے بعد اس کے رفقاء کار اورنگ زیب سے وابستہ ہوگئے۔ برہمن نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا اور آخر عمر تک اس کا ملازم رہا۔ اس نے اورنگ زیب کی تعریف میں بڑے پُر زور اشعار کہے ہیں۔

برہمن کی ایک صوفیانہ مثنوی مجموعۂ رسائل میں لکھنؤ سے ۱۸۷۷ء میں شائع ہو چکی ہے۔ نازک خیالات نام کی اس کی ایک دوسری تصنیف ہے جو اس نے اتاولاس سے ترجمہ کی تھی، جس کا مصنف شنکر چاریہ تھا۔ یہ کتاب ۱۹۱۰ء میں لاہور سے چھپ چکی ہے۔[3]

---

[1] کلمات الشعرا ص ۱۸۔ شاہجہاں کے عہد کی مستند تاریخ عمل صالح میں اس کی نسبت لکھا ہے "ہر چند بصورت ہندو است لیکن دم در اسلام می زند"

[2] کلمات الشعرا۔ ص ۱۸

[3] Persian Literature (Section II) P. 571

© rasailojaraid.com

اب اس کا کلیات نظم بھی چھپ گیا ہے۔[1]

اسی زمانے میں بھوپت رائے نام کا ایک شاعر تھا۔ بے غم تخلص اور بیراگی لقب تھا۔ شاعری میں محمد افضل سرخوش کا شاگرد تھا۔[2] اور بعد میں بندرابن داس خوشگو کی شاگردی اختیار کرلی تھی۔[3] طریقت میں شیخ الشیوخ محمد صادق[4] اور نرائن بیراگی کا مرید تھا۔[5]

وہ قوم کا کھتری تھا۔ اس کے آبا و اجداد سرکار جون (جو پنجاب میں تھی) کے قانون گو تھے۔ جب اس پر جذبۂ عشق کا غلبہ ہوا تو اس نے علائق دنیا سے بے تعلقی اختیار کرلی۔ نرائن چند نام کے ایک ہندو لڑکے پر فریفتہ ہوا اور بیراگیوں کا لباس اختیار کیا۔ اس طرح اس نے مجازی عشق سے حقیقت کی منزلیں طے کیں۔ ہندی کی کتاب "پربودھ چندر ناٹک" کو اس لڑکے کے نام سے نظم میں منتقل کیا۔[6]

---

[1] اس کے کلیات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جذبہ بجان اسلامی تخیل میں ڈوبا ہوا تھا اور اس کے اشعار میں وحدت الوجود کے مراحل اور عشق حقیقی کی کیفیات کا تذکرہ اسی انداز سے ملتا ہے جس طرح دوسرے مسلمان شعراء کے کلام میں پایا جاتا ہے۔

[2] سرخوش نے اس کی نسبت لکھا ہے "مردیست از علائق دنیوی برجستہ و از قیدما ومن و تو وا رستہ ......دارد۔ پیش فقیر مشق سخن میکند و اصلاح میکرد و کارش روز بروز در ترقیست" کلمات الشعراء ص ۲۹ خوشگو نے لکھا ہے کہ سرخوش کی خدمت میں بنیم "صحبت ایشان کہ اوقات بگفتگوی توحید میگذشت۔ خیلی باربود" سفینۂ خوشگو۔ ص ۱۰۱

[3] سفینۂ خوشگو۔ ص ۱۰۱

[4] رود کوثر۔ ص ۴۰۴

[5] سفینۂ خوشگو میں نرائن بیراگی کی نسبت لکھا ہے "مردیست وارستہ و فہمیدہ بود۔" ص ۱۰۱

[6] سفینۂ خوشگو۔ ص ۱۰۱۔ کلمات الشعرا "و قصہ از کتب ہندی و وزن شاہ نامہ نظم زدہ و مطالب تصوف را خوب توضیح نمودہ" ص ۱۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خوشگو کا بیان ہے کہ بینیم متعدد کتابوں کا مصنف تھا۔ ہندوستان کے فقیروں کے قصّے اس نے ایک مثنوی کی صورت میں بیان کیے تھے۔ اس کے فارسی کلیّات میں پچاس ہزار اشعار تھے۔ ایک دیوان غزل اور رباعیوں کے علاوہ۔ باقی مثنویاں ہیں[۱]۔ اس کا انتقال ۱۱۳۲ھ/۱۹-۱۷۱۸ء میں ہوا تھا[۲]۔

بینیم کی شخصیت کے بارے میں شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ "نرائن بیراگی اور محمد صادق کے دوگونہ مواعظ سے اس کا قلب مجمع البحرین بن گیا تھا۔ چناں چہ اس کی مثنوی میں جا بجا دو رنگی مزجوں کا سُراغ ملتا ہے۔ جن کو اگر غور سے دیکھا جائے تو ان میں اسلامی اور ہندو تصوف کا رنگ علیحدہ علیحدہ نظر آئے گا[۳]۔

بینیم کی اس رباعی میں فلسفۂ وحدت الوجود کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔

دریا در موج و موج اندر دریاست — در ذات و صفات حق تفاوت زکجاست
ای محو حقیقت نظر افگن بہ مجاز — بے رنگ بہ صد رنگ جہاں جلوہ نماست[۴]

ہندوؤں اور مسلمانوں کی روحانی آمیزش کی یہ کوشش صرف فارسی زبان تک ہی محدود نہ تھی بلکہ دارا شکوہ کے ہندو دوستوں نے سنسکرت میں بھی انھیں منتقل کیا چناں چہ مجمع البحرین کا "سمود رسنگم" کے نام سے اسی زمانے میں سنسکرت میں ترجمہ ہوا اور دوسری کئی تصوف کی کتابیں بھی اس زبان میں منتقل ہوئیں[۵]۔

دارا شکوہ کے قتل کے بعد ہند مسلم روحانی آمیزش اور اتحاد کی یہ تحریک ختم نہیں ہوئی مگر اس کی رفتار ضرور سست پڑ گئی کیونکہ اپنی زندگی ہی میں اُسے اپنی اس آزاد خیالی اور وسیع المشربی کے خلاف مخالفت کا مقابلہ کرنا پڑا تھا۔ علمائے ظاہر اور اہلِ فکر کی ایک بااثر جماعت اس تحریک کو ناکام بنانے کی پوری کوششیں کر رہی تھی" وہ تصوف میں غیر اسلامی عنصر دیکھنا پسند نہ کرتی تھی"

[۱] سفینۂ خوشگو، ص ۱۰۲ [۲] ایضاً ص ۱۰۲ [۳] رودِ کوثر، ص ۵۰۴ [۴] سفینۂ خوشگو، ص ۱۰۳ [۵] رودِ کوثر، ص ۵۰۴، [۶] ایضاً ص ۱۰۱

© rasailojaraid.com